مقالۂ افتتاحیہ

تعلیم اور مذہب

رئیس احمد جعفری

پاکستان کو قائم ہوئے کافی مدت گزر چکی ہے۔ اس عرصے میں بہت سی دشواریاں پیش آئیں داخلی بھی اور خارجی بھی اور ان دشواریوں کا سلسلہ ہنوز قائم ہے۔ ان سے عہدہ برآ ہونے کی سعی و جہد بھی برابر کی جاتی رہی اور اس کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ بلکہ یہ کہنے میں باک نہ کرنا چاہیے کہ ہم کامیابی کے ساتھ "دشواری رہ وستم ہمرہاں" سے عہدہ برآ ہو رہے ہیں۔

اس سلسلۂ گفتگو میں ایک مسئلہ ایسا ہے جسے اگر نظر انداز نہیں کیا گیا تو پورے طور پر مورد التفات بھی نہیں قرار دیا گیا۔ وہ ہے ہمارے سلسلۂ درس و نصاب میں مذہبی عناصر کے امتزاج کا مسئلہ۔

جو حکومتیں سیکولر ہونے کی مدعی ہیں ان کے نصاب تعلیم کا اگر جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ مشرق و مغرب ہر جگہ جو تعلیم دی جا رہی ہے وہ مذہبی عناصر سے خالی نہیں ہے۔ یورپ کا دانشور ہو یا امریکہ کا رند لاابالی۔ ہندوستان، برما، لنکا اور مشرق وسطیٰ کے ممالک ہوں یا افریقہ کے ریگ زار ہر جگہ تعلیم پر کہیں پس پردہ، کہیں برافگندہ نقاب مذہب چھایا ہوا ہے۔ اس لیے کہ یہی ایک ایسا رشتہ ہے جو قوم میں ضبط، نظم اور اتحاد کا نہ ٹوٹنے والا رشتہ قائم رکھ سکتا ہے۔ اس حقیقت کو سب محسوس کرتے ہیں۔ لہٰذا عملی طور پر مذہب سے وہ کوئی سروکار رکھتے ہوں یا نہ رکھتے ہوں مگر ذہنی اور روایاتی طور پر اس کا دامن مضبوطی سے تھامے ہوئے ہیں۔

پاکستان سیکولر حکومت نہیں ہے۔ یہ ملک اسلام کے نام پر وجود میں آیا اور اس ملک کے باشندے مذہب کو ہر چیز پر ترجیح دیتے ہیں۔ وہ نہ صرف یہ کہ مذہب سے اپنا رشتہ منقطع کرنے پر

تیار نہیں ہو سکتے بلکہ اس تعلق کو کمزور ہوتا بھی نہیں دیکھ سکتے۔ اس حقیقت کو ہمارے ملک کے ارباب کار، ارباب سیاست اور اصحاب علم و دانش بھی پورے طور پر محسوس کرتے ہیں۔

لیکن احساس دوسری چیز ہے اور عملی اقدام دوسری چیز

جہاں تک اقدام و عمل کا تعلق ہے اس سلسلے میں ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔

تمام مکاتب اور مدارس میں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں، دوسرے تربیتی اداروں میں مذہبی تعلیم کا رواج اشد ضروری ہے۔

مذہبی تعلیم ایک عام لفظ ہے اس کی وسعت میں بہت کچھ آسکتا ہے۔ ماہرین تعلیمات اگر سر جوڑ کر بیٹھیں تو یقیناً نہایت آسانی کے ساتھ وہ ایسا نصاب تیار کر سکتے ہیں جو علیٰ قدرِ مراتب تمام مدارج کے مفید اور نافع ہو۔

مقصد یہ نہیں ہے کہ تمام مدرسوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کو مسجد یا خانقاہ یا دارالقرآن اور دارالحدیث بنا دیا جائے۔ اس مقصد کے لیے جو درس گاہیں قائم ہیں وہ اپنی ذمہ داریوں سے بہرحال عہدہ برآ ہو رہی ہیں اور ان پر فرض ناشناسی کا الزام نہیں لگایا جا سکتا۔ ان میں اگر کوئی خامی ہے تو وہ بآسانی دور کی جا سکتی ہے۔ لہٰذا انھیں اجازت ہونی چاہیے کہ اپنا کام جاری رکھیں البتہ سرکاری اور نیم سرکاری درس گاہوں میں مذہبی تعلیمات و روایات کو ذہن نشین کرنے کا ایسا خاکہ تیار کرنا چاہیے جو طلبا میں مذہب سے جذباتی اور ذہنی وابستگی پیدا کر دے۔

یہ کام مذہبی مدرسے اور دارالعلوم نہیں انجام دے سکتے۔ اس کام کو انجام دینے کے لیے حکومت ہی کو آمادۂ کار ہونا پڑے گا۔ اور چونکہ اصولی اور سیاسی طور پر اس نظریے سے متعلق حکومت بھی متفق ہے اس لیے تھوڑی سی توجہ اس کارِ اہم کو بہ حسن و خوبی انجام دے سکتی ہے۔

اس سلسلے میں حکومت کے دو اداروں کو آگے بڑھنا چاہیے۔

ہماری مراد محکمہ تعلیمات اور محکمہ اوقاف سے ہے۔

یہ دونوں محکمے باہمی صلاح و مشورے اور بحث و گفتگو کے بعد بلاشبہ ایک ایسا خاکہ تیار کر سکتے ہیں جو اس مقصد عظیم کو بہ حسن و خوبی پورا کر دے گا۔

مذہبی تعلیم کے اجرا اور نفاذ کا ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ ہماری نئی نسل جو پروان چڑھ رہی ہے اور جس کے ہاتھ میں آگے چل کر اس ملک کی باگ آئے گی وہ پاکستان کو الٰہی خطوط پر چلائے گی جن کے لیے اس ملک کا قیام عمل میں آیا تھا۔ ورنہ رفتہ رفتہ وہ خطوط نظر سے اوجھل ہوتے جائیں گے اور دوسری یا تیسری نسل کے بچے جن لوگوں پر پاکستان مشتمل ہوگا وہ مذہب سے بہت زیادہ دُور جا چکے ہوں گے۔ اور مذہب اگر ہاتھ سے نکل گیا تو رہ کیا گیا؟

ادارہ تحقیقات اسلامی (کراچی)، ادارہ ثقافت اسلامیہ (لاہور)، اقبال اکیڈیمی (کراچی)، جامعہ اسلامیہ (بہاولپور)، مشاورتی کونسل برائے امور اسلامی (لاہور)، نیز ملک کے سربرآوردہ علماء اور اصحاب علم کے افکار و آرا سے استفادہ کر کے ایک جامع اسکیم تیار کی جا سکتی ہے۔ ہماری استدعا ہے کہ اس کام کو بغیر کسی تاخیر کے جلد از جلد شروع کر دیا جائے اور ہمیں امید ہے کہ ایسا ضرور ہوگا اس لیے کہ صدر مملکت اور صوبے کے حاکم اعلیٰ خود بھی مذہبی آدمی ہیں اور مذہبی اقدار کے قیام و بقا اور تحفظ سے پوری دلچسپی رکھتے ہیں۔